ماہنامہ مجلّہ

حیات نو

بریاگنج

[illegible]

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

شمارہ ۱	شوال ۱۴۲۱ھ جنوری ۲۰۰۱ء	جلد نمبر ۱۷

معاون مدیر	مدیر مسئول
انیس احمد فلاحی مدنی	نور محمد فلاحی

- طلبہ کے لیے : ۳۰ روپے
- اعزازی زر تعاون : ۱۰۰۰ روپے
- قیمت فی شمارہ : ۶ روپے
- سالانہ زر تعاون : ۵۰ روپے
- خصوصی زر تعاون : ۱۰۰ روپے
- بیرون ملک : ۲۵ امریکی ڈالر

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح

بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

✆ : 05466-25115

نقوش حیات نو

اداریہ

وہ شخص جسے دیکھ کے آتا تھا خدا یاد — مولانا افتخار الحسن مظفری — ۳

بحث و نظر

مولانا صغیر احسن اصلاحی۔ چند تاثرات — ظریف ندوی — ۵

مذاہب عالم

ہندومت (۱) ویدوں کے طریقہائے تفسیر — انیس احمد فلاحی — ۱۱

اسرار شریعت

مرداری حرمت کے اسباب — ابو صوفی فلاحی — ۱۵

فقہ و فتاوی

غیر محرم بالغ شخص کا گھر میں کھانا پکانے کا حکم — ابو راقم — ۱۶

تلخ و شیریں — علماء کرام کی رواداری کہاں گئی — ثناء اللہ سیالکوٹی — ۱۷

رپورٹ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے — ۲۲

چودھویں تاریخ ساز اجلاس کی روداد — رضوان احمد ندوی

جامعہ کے لیل و نہار — ادارہ

الوداعی تقریب — ۲۸

مجلس استقبالیہ

تعزیتی نشست — ۲۹

اداریہ

وہ شخص جسے دیکھ کے آتا تھا خدا یاد

مولانا افتخار الحسن

جامعہ میں میرا پہلا دن تھا۔ ظہر کی نماز باجماعت ادا کی۔ نماز میں جو کیفیت و لذت حاصل ہوئی اس کے احساس کو تادیر باقی رکھنے کے لئے میں پہلو دبائے سر جھکائے بیٹھ گیا۔ اتنے میں امام صاحب سنتوں سے فارغ ہو گئے۔ مجھے نووارد دیکھ کر ایسے والہانہ انداز سے لپکے جیسے کسی دیرینہ محبت شناس سے کوئی مدتوں بعد ملے۔ دلنوازی کے اس سرور انگیز سابقہ سے سراپا سپاس ہو کر میں بھی کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے فرشی سلام کے انداز میں جھک کر اپنا ہاتھ بڑھایا، میں نے مصافحہ کیا، ان کا ہاتھ دیر تک تھامے رہنے کا بے اختیار دل چاہا کہ نماز میں جو کیفیت مجھے حاصل ہوئی تھی، اب اس کا سرچشمہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے نظر اٹھائی چہرے کو دیکھا، دیکھتا رہ گیا۔

وہ وہ شئی تھی کہ جس کا چہرہ دھیان میں تھا
ستارہ سا اک چراغ دل کے مکان میں تھا

مقتدی کے دل میں کیفیت نماز کی جو جگمگاہٹ ابھری تھی، امام کے چہرے پر وہ مجسم ہو گئی تھی۔ دل روتا ہے اب ایسی کیفیت نماز کے لئے اور ایسے امام کے لئے۔

میں بیتابی سے عصر کی نماز کا انتظار کرنے لگا، لیکن سوء اتفاق کہ عین وقت پر مجھے کچھ ضرورت لاحق ہو گئی۔ میں مسجد پہنچا تو دو رکعت ہو چکی تھی۔ امام صاحب نماز دعا سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ میں نے اپنی نماز پوری کی اور امام صاحب سے ملنے کے لئے تیز قدموں باہر آیا، دیکھا کہ باہر کھڑے کسی سے محو گفتگو ہیں، میں نے دوری سے ان کے چہرے پر نظر جمائی، دیکھا اور واضح طور پر دیکھا کہ

نکلے ہیں میکدے سے تو چہرے پہ نور ہے

ان کی نماز میں اللہ کی رضا کا اجالا سلے تھا کہ نماز ان کے دل کی دھڑکن بھی تھی اور ان کی آرزوؤں کا محور جمال بھی، دنیا ان کی ہر چیز سے زیادہ ان کو نماز سے محبت تھی۔ نماز سے ان کی محبت و

شیفتگی کا ایک عبادت اثر تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب کلیۃ البنات میں فقہ و حدیث کی تدریس کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ظہر کی نماز کے لئے وقفہ کا جو وقت یہاں متعین کیا گیا تھا وہ جامعہ کے اوقات نماز سے مختلف تھا، ہم لوگ تو یہیں نماز ادا کر لیتے لیکن وہ جامعہ جا کر جماعت ہی نماز ادا کرتے رہے، آخر مجبور ہو کر ان کے لئے قانون کو گنجائش نکالنی پڑی۔

یہ سیل غم یہ طوفاں حوادث اور یہ پابندی
مگر کب مانتے ہیں زندگی سے ہار دیوانے

ان کی وفات بعد بھیکی جانے کا اتفاق ہوا اور یہ عزیزوں میں سے متعدد نے بڑی عقیدت و محبت سے ان کو یاد کیا اور کہا

"ہم نے ان سے اتنے اتنے روپے وقتاً فوقتاً لئے تھے، لیکن نہ انہوں نے کبھی تقاضہ کیا نہ ہمیں لوٹانے کی توفیق ہوئی۔ اب وہ روپے کے لوٹائے جائیں"۔ میں نے ان کو ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ:

"ایک شخص آئے دن ان کے پاس آتا اور کسی مصیبت کا رونا رو کر ان سے روپے لیجایا کرتا اسی طرح ایک بار وہ آیا اور اپنے کسی عزیز کی تدفین کے لئے ان سے تین چار سو روپے لے گیا، تھوڑے دن بعد پھر آیا اور پھر کسی تدفین ہی کے لئے روپے کا سوال کیا میں نے مولانا سے کہا یہ شخص آپ کو دھوکہ دیتا ہے"۔ انہوں نے فرمایا:

"جس کے نام پر میں دھوکہ کھاتا ہوں وہ علیم و خبیر ہے
ممکن ہے دھوکہ کھا کر دینے پر ہی وہ خوش ہو جائے"

اسی طرح جو شخص بھی ان کے پاس آ کر اپنی مصیبت بیان کرتا وہ اپنی تاحد وسع اعانت و حاجت روائی کرتے۔ وہ ہمیشہ دکھ درد کے ماروں کے درمیان ان کے قریب ہی رہے اور ان کے آنسوؤں اور سسکیوں کو زندگی کی تب و تاب عطا کرتے رہے۔

رباب زندگی کے جتنے ٹوٹے تار ہوتے ہیں
انھیں کو جوڑ کر نغمے مرے تیار ہوتے ہیں

مولانا صغیر احسن اصلاحیؒ - چند تاثرات

عفریف شعیب ندوی لکھنؤ

جامعۃ الفلاح کے بزرگ استاذ و مربی، اور تحریک اسلامی کے ایک مخلص کارکن، عالم باعمل مولانا صغیر احسن اصلاحی اللہ کو پیارے ہو گئے، گزشتہ دنوں ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا، جس سے جسم کا ایک بڑا حصہ متاثر ہوا، فوری طور پر اعظم گڈھ اسپتال میں داخل کئے گئے تھے کچھ افاقہ محسوس ہونے پر گھر (بلریا گنج) منتقل کر دئے گئے، لیکن حملہ شدید تھا، جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوا اور تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں مولانا مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا کا اصلی وطن بلریا گنج سے متصل موضع رسول پور تھا، انہوں نے تعلیم کی تکمیل مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں کی جہاں انہیں مولانا فراہی کے تلمیذ رشید مولانا امین احسن اصلاحی سے بھی کسب فیض کا موقع ملا، تعلیم کی تکمیل کے بعد پہلے مدرسۃ الاصلاح ہی میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر تحریک اسلامی سے وابستگی اختیار کر لی، جو بالآخر مدرسہ سے علیحدگی کا سبب بھی بنی اسی زمانہ میں جامعۃ الفلاح نے جو اب تک مکتب کی شکل میں تھا ترقی کر کے ایک عربی ادارے کی شکل اختیار کی تو مولانا نے بھی اسی کو اپنی خدمات پیش کر دیں اور "یک در گیر و محکم گیر" کا اصول اپناتے ہوئے زندگی کے آخری ایام تک اسی درسگاہ کی خدمت کی، راقم نے دو سال جامعۃ الفلاح میں گزارے ہیں اور ترمذی کا درس مولانا سے لیا ہے، اور ان کی شفقتوں اور عنایتوں سے بہرہ مند ہونے کی سعادت ملی، اور حقیقت یہ ہے کہ اپنے اہل اللہ کی عنایت و شفقت سے بہرہ مند ہونا اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات میں سے ہے۔

تحریک اسلامی سے مولانا فراغت کے بعد ہی وابستہ ہو گئے تھے، اور تا حیات اسی سے وابستہ رہے، اور اس سلسلے میں جو بھی تعاون مطلوب ہوتا پیش کرتے، مقامی سطح پر تحریک کی ساری سرگرمیوں میں حصہ لیتے، علاوہ نصیحت اور اصلاح و دعوت کا ان کا مزاج بن گیا تھا اور وہ یہ کام اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کرتے رہتے تھے، ان کی ذات خود دعوت اصلاح کی

تھی، صوبائی و مرکزی سطح پر بھی جماعت کے پروگراموں میں اکثر وبیشتر شرکت کرتے تھے، وہ قیادت کی سطح کے آدمی نہ تھے کہ انھیں شہرت، مقبولیت ملتی، اور ایسی چیزوں کے وہ کبھی خواہشمند بھی نہ تھے، لیکن انھوں نے اپنی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ایک عام کارکن کا کردار خوبی اور قابل رشک انداز میں نبھایا، دوسری اہم بات ان کے اندر یہ تھی کہ تحریک سے وابستگی کے باوجود کسی قسم کے تعصب اور بے جا حمایت اور طرفداری کی آفت سے بالکل محفوظ تھے، اسی لئے دوسرے حلقے کے لوگوں اور علماء و مشائخ سے بھی ان کے روابط نہایت خوشگوار تھے، وہ تعاون علی البر والتقوی کی عملی تفسیر اور نمونہ تھے، اور ہر دینی و ملی کام میں حصہ لینا اور خاموش امداد اور تعاون پیش کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔

مولانا کی زندگی کا ایک بہت اہم اور نمایاں پہلو طلبہ کے ساتھ ان کا رویہ تھا، وہ نہ صرف اپنے شاگردوں سے تعلق خاطر رکھتے تھے بلکہ جامعہ کے سارے ہی طلبہ انھیں عزیز تھے، اس کے علاوہ دوسری جگہوں پر پڑھنے والے طلبہ سے بھی بڑا انس رکھتے اور ضرورت پڑنے پر ان کی دل کھول کر امداد کرتے، مولانا کی تعلیم کا انداز بھی نرالا تھا، اس میں نہ تو خشکی ہوتی اور نہ علمی باریکیاں ہوتیں لیکن ان کی شگفتہ مزاجی جس میں لطیف مزاح کا عنصر بھی ہوتا تھا پوری کلاس کو زعفران زار بنا دیتی تھی، طلبہ ان کے درس سے محظوظ ہوتے تھے، وہ طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے اور ان کی تربیت اور اصلاح بڑے حکیمانہ طرز سے مسلسل کرتے رہتے تھے، کوئی طالب علم بیمار ہوتا تو مزاج پرسی کرتے، اس کی خبر گیری کرتے اور مستحق طلبہ کی مالی امداد و اعانت بڑی خاموشی سے کرتے رہتے تھے، کتنے ہی طالب علم ہوں گے جن کا انھوں نے اسی طور پر تعاون کیا، انھیں سہارا دیا، ان کی حوصلہ افزائی کی، طلبہ کے ساتھ ان کا مشفقانہ رویہ اور مہربانی کا سلوک ہی تھا جس کی وجہ سے طلبہ ان کے ساتھ بڑے بے تکلف رہتے تھے، اور ان سے کوئی ڈر یا خوف محسوس نہ کرتے تھے، لڑکوں کی اصلاح و تربیت کا ہمیشہ خیال رہتا تھا، علی الصباح فجر کی نماز کے لئے طلبہ کو کئی کئی بار بیدار کرتے، وقتاً فوقتاً تذکیری گفتگو خود کرتے یا کسی استاد سے کرواتے، ان کی آواز میں بڑا درد تھا، اور گفتگو مختصر، درد و سوز میں ڈوبی ہوئی اور موثر ہوتی تھی۔ جامعۃ الفلاح سے انھیں والہانہ لگاؤ تھا، اس درسگاہ سے ان کی وابستگی روز اول ہی سے رہی،

اس کے لئے انھوں نے سفر اسفار بھی کئے اس سے ان کا لگاؤ اپنے گھر جیسا تھا اور اس کے لئے اخلاص اور قربانی کا بے پناہ جذبہ ان کے اندر پایا جاتا تھا، اس کی نشوونما اور ترقی کے ہمیشہ کوشاں اور دعا گو رہے، اونچے درجوں کی بعض کتابیں تو انھوں نے پڑھائیں لیکن عہدوں اور مناصب سے وہ ہمیشہ الگ ہی رہے، اور اس کا نہ ان کا مزاج تھا اور نہ ہی وہ اس میدان کے آدمی تھے، تاہم طلبہ کے ہاسٹل کی نگرانی کافی عرصہ تک ان کے سپرد رہی، اور اسے انھوں نے انہماک اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا، طلبہ پر ان کی سلامتیٔ طبع اور شرافت نفس اور بردباری اور عفو و درگزر کی بلند عادتوں کا بڑا اچھا اثر پڑتا تھا، راقم کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ کبھی کوئی طالب علم ان سے کسی وجہ سے کبیدہ خاطر ہوا تو انھوں نے خود آگے بڑھ کر معافی مانگ لی۔

ملتے کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　　افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

مولانا مرحوم عمر بھر تعلیم و تربیت اور تدریس کے میدان سے وابستہ رہے، لیکن اس کے ساتھ ہی رشتہ داروں، عزیزوں اور احباب اور حلقہ تعارف نیز عام لوگوں سے بھی تعلقات رکھتے اور گہرا لگاؤ رہتا، جب علیل و کمزور نہ تھے تو سائیکل لے کر نکلتے اور راستہ میں جتنے عزیز اور دوست احباب پڑتے سب کی خیر خبر ضرور لیتے جاتے، سب کی خیریت لینا، حال چال معلوم کرنا، مسائل معلوم کرنا، اور انھیں حل کرانے کی کوشش کرنا ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی، سبھی مولانا کی سادگی، شرافت نفس، نیکی اور خداترسی کے قائل تھے، مولانا تھے بھی بالکل المومن غر کریم (مومن سادہ لوح اور کریم النفس ہوتا ہے) کے صحیح مصداق، علماء کے طبقہ میں بالعموم عام سے الگ تھلگ رہنے کا مزاج پایا جاتا ہے، لیکن مولانا اس سے بالکل مستثنیٰ تھے، اور اس معاملہ میں ان کی ذات دوسروں کے لئے ایک نمونہ اور قابل تقلید مثال ہے، قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی توصیف میں بالمومنین رؤوف رحیم کہا ہے (یعنی آپ مومنین پر انتہائی درجہ شفیق و مہربان تھے) ذات نبوی سے عشق اور اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار اللہ کے مقبول بندوں کو بھی اس صفت کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے، مولانا صغیر احسن کو قدرت نے اس وصف سے نوازنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ حقوق العباد کا بڑا خیال رکھتے تھے، اس پہلو کو بھی

رہے اور اس معاملہ میں بڑے حساس تھے۔

مولانا کا مطالعہ اچھا تھا اور مختلف موضوعات پر برابر پڑھتے رہتے تھے، قرآن وحدیث سے خاص شغف تھا، اہل علم سے ملاقاتوں اور استفادہ کے حریص تھے، اور آخر تک رہے، علم و تحقیق کی قدر دانی فرماتے اور اس سلسلے میں جو بھی تعاون ممکن ہوتا ضرور کرتے، والد ماجد جناب مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی مدظلہم جو کتاب اللہ اور حدیث دونوں پر بڑی مجتہدانہ نظر رکھتے ہیں، سے خاص عقیدت تھی، والد ماجد دامت برکاتہم سے مولانا مرحوم نے مدرسہ اصلاح پر ترمذی کا درس بھی لیا، اس وقت دونوں بزرگ وہاں استاذ تھے، اور مولانا مرحوم کی تحریک پر چند اساتذہ نے ترمذی ان سے پڑھنی شروع کی تھی، وہیں سے دونوں بزرگوں میں دوستی، رفاقت اور عقیدت کا تعلق قائم ہوا، جو بحمد اللہ آخر وقت تک قائم رہا، مولانا مرحوم والد ماجد کے علوم و تحقیقات کے خاص قدر دانوں میں تھے، اور ذاتی استفادہ کے ساتھ ہی ان کی نشر و اشاعت کی مسلسل فکر میں رہتے تھے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، عبادت کا انہیں بڑا ذوق تھا، نماز سے حقیقی عشق تھا، راقم آثم کو کئی بار ان کے ہاں رہنے اور کئی شب و روز ان کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا، اور ان کے معمولات کا اس نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا، وہ شہادت دے سکتا ہے کہ اس دوران ان کی کوئی تہجد نہیں چھوٹی، فرائض کے ساتھ سنن و نوافل کا خاص اہتمام کرتے تھے، تحریکی حلقہ سے متعلق عام طور پر سنن و نوافل کے سلسلے میں لاپروائی اور کسل مندی کی شکایت کی جاتی ہے، جس میں مبالغہ بھی ہے، لیکن اگر وہ صحیح بھی ہو تو مولانا مرحوم کی ذات اس سے بالکل مستثنیٰ تھی، راقم گواہی دے سکتا ہے کہ ابھی تک اس نے چند ہی ایسے علماء دیکھے ہیں جو انتہائی حد تک عبادات میں انہماک رکھتے ہیں، انہی میں ایک مولانا کی ذات بابرکات بھی تھی، نماز کے سلسلے میں ان کا شغف بتاتا تھا کہ انہیں قرة عيني في الصلاة (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے) اور ارحنی یا بلال بالصلاة (اے بلال نماز کے ذریعہ ہمیں راحت پہونچاؤ) والی کیفیت کا خاص حصہ ملا تھا، ظاہر ہے کہ نماز کا معاملہ ہے بھی ایسا ہی کہ اس کا مقام دینی نظام میں بالکل وہی ہے، جو جسمانی نظام میں قلب و روح کا ہوتا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت سے حقیقی شغف رکھنے والوں کو نماز سے گہری شیفتگی اور

تعلق ہوتا ہے، اور یہ گہرا تعلق اللہ کے مقبول بندوں اور صالحین کی مخصوص نشانی ہے، مرحوم کی نمازیں اور نیکی و تقویٰ سے بھری ان کی پوری زندگی شہادت دیتی ہے کہ وہ زمرۂ صالحین میں تھے۔

مولانا کسی حلقہ ارادت سے وابستہ یا باضابطہ صوفی نہ تھے، لیکن راقم سطور کی نگاہ میں ذات نبوی سے عشق، تقویٰ و پرہیز گاری، انابت اور رجوع الی اللہ کی جو کیفیت مولانا کو حاصل تھی وہ موجودہ دور کے مروجہ طلقہ ہائے طریقت، مشیخت حضرات کو شاید ہی نصیب ہوتی ہو، تصوف و طریقت کسی مروجہ اور روایتی جامد طریقہ کا نام نہیں، بلکہ دراصل وہ جذب و شوق اور محبت سے عبارت ہے، جذبہ شکر اور اعمادہ عقیدت سے اس کا جوہر تیار ہوتا ہے، اور اس محبت کے بغیر ایمان بھی معتبر نہیں، محبت کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جو بندہ کو اپنے خالق و مالک اور پالنہار سے ہوتی ہے، اسی کو سلوک و طریقت کی زبان میں عشق حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے، عشق حقیقی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا سے محبت کرنے والا اس کی مخلوق سے بھی محبت کرے اور اپنی ذات سے خلق خدا کو آرام پہونچائے، یہ وہ جذبہ ہے جو کسی کے اندر پیدا ہو جائے تو اسے مسلسل بے چین رکھتا اور حرکت و عمل پر ابھارتا رہتا ہے، مولانا کی زندگی کا سب سے ابھرا ہوا پہلو یہی تھا، وہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، ان کے مسائل معلوم کرتے، اور ان کو حل کرانے کی کوشش کرتے، سب کو دعائیں دیتے، سب کے ساتھ تواضع سے پیش آتے، لوگوں سے محبت اور خدمت خلق ان کا شیوہ تھا، حرارت قلب، محبت انسان، تواضع و خاکساری، اور لوگوں سے ہمدردی و غمگساری جیسی بلند صفات ان کا مایۂ خمیر تھیں، وہ جہاں جاتے نیکی کے بیج بوتے جاتے تھے، احترام آدمیت ان کی زندگی کا روشن عنوان تھا، مہمانوں کا خاص خیال رکھتے، اور حدیث نبوی من كان يؤمن بالله فليكرم ضيفه (مومن کو اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے) پر پورا عمل کرتے، اور ان کے اکرام اور خدمت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے، انھوں نے ستھرا دل کے ساتھ زندگی گزاری، بچین دل کی محبت، عقل اور تنگ دلی اور کسی منصب کی خواہش جیسی آفات سے محفوظ رہے، کسی شخص کے ظاہری حالات اور کاموں کو دیکھ کر اگر اس کے عمل کے بارے میں رائے قائم کرنا درست ہو تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حب دل، حب جاہ، اور تنگ

دل سے ان کے قلب کو صاف کر دیا گیا تھا، اور وہ ان شاء اللہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک هم المفلحون (قرآن) (جو لوگ نفس کی تنگی سے بچائے گئے وہی کامیاب ہیں) کے خاص مصداقوں میں سے ہوں گے۔۔۔ آہ ان کے چہرے سے کتنی پاکیزگی جھلکتی اور پیشانی سے کتنا نور ٹپکتا تھا، ان کے ساتھ باتیں کرتے طبیعت خوش ہو جاتی، ان کے ساتھ بیٹھ کر خدا یاد آتا اور ان کی صحبت سے نفس کا تزکیہ ہوتا تھا، راقم کا قلب شہادت دیتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اولئک قوم لا یشقی بهم جليسهم (یہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشیں محروم نہیں رہتا) عام طور پر علمائے کبار، ادباء اور مصنفین، مشہور اور روایتی صلحاء اور زہاد، قائدین اور امراء وغیرہ کو یاد رکھا جاتا ہے، ان پر کتابیں اور مضامین لکھے جاتے ہیں، سادہ دلوں اور گمنام طبیعتوں کو زمانہ بھلا دیتا ہے، حالانکہ یہی غیر معروف مگر مخلص، کم نام مگر قربانی دینے والے کائنات میں روح الغزل کی حیثیت رکھتے ہیں، بنیاد کا کام ہمیشہ وہ اینٹ دیتی ہے جو نیو میں اپنے کو دفن کر دینا گوارا کر لیتی ہے، مولانا کی وفات پر تحریک اور جامعۃ الفلاح کا ایک بے لوث خادم، علم و تحقیق کا قدر داں، اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی شخصیت ہم سے جدا ہو گئی، اللہ غریق رحمت کرے، آہ! موت نے کیسے صاحب دل، زاہد حقیقی، متبع سنت، اور خادم انسانیت کو ہم سے چھین لیا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

بقیہ: ص ۳۱

جب ۱۹۹۲ء میں یہاں عربی درجات کا آغاز ہوا تو میں نے کہا مولانا کے بغیر یہ کام ادھوری رہے گی۔ ان کو لانے کے لئے میں رسولپور جاتا رہا تو لوگ دور سے ہی دیکھ کر کہتے رہے کہ وہ ہمارے مولانا کو لے جانے کے لئے آ گئے۔

مولانا کا ایک اہم امتیاز یہ بھی رہا ہے کہ انکو شروع ہی سے ہمہ جہتی علوم سے دلچسپی رہی ہے چنانچہ آپکی یہ خوبی ادارہ میں کام آئی اور ان کا یہ ہمہ جہتی علم ہمارے لئے بڑی ہی سہولت کا سبب بنا۔ مولانا کی اہم خوبیوں کا تذکرہ میرے ساتھیوں نے کر دیا۔ آپ کی سیرت و کردار کی بلندی نماز کی درستگی کی وجہ سے تھی۔ جس کی نماز درست ہو گی اس کی ہر چیز درست ہو گی اور جس کی نماز درست نہ ہوگی اسکی کوئی چیز درست نہ ہوگی۔ مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم فرمایا کرتے کہ: "میں کعبہ کی چھت پر قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ جسکی نماز درست نہ ہوئی اسکی کوئی چیز درست نہیں ہو سکتی۔"

ہندومت (۶)

انیس احمد فلاحی

ویدوں کے طریقہائے تفسیر

ویدوں کے مشہور تفسیری مسالک تین ہیں۔

(۱) ستر ام سایان کا طریقہ تفسیر:۔ ستر ام سایان ویدوں کے ان قدیم شارحین میں سے ہیں جنہوں نے اپنے زمانے میں رائج مذہبی رسوم ورواج کے زیر اثر اور ویدوں میں مذکور تلمیحات اور قصوں کو مہابھارت کے اقتباسات کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندؤں کے نزدیک ستر ام کی تفسیر انتہائی مستند اور قابل اعتماد ہے۔ ماکس ملر کہتے ہیں: "اگر ستر ام نے ویدوں کی تفسیر نہ کی ہوتی تو ہمارے لئے ویدوں کے اسرار ورموز کو سمجھنا مشکل ہو جاتا"۔

(۲) ماکس ملر (MAXMULLER) کا طریقہ تفسیر:۔ مارکس ملر جرمن کے رہنے والے تھے۔ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مغربی طرز تحقیق کی روشنی میں ویدوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ویدک تعلیمات سے یورپ والوں کو متعارف کرایا ہے۔ اسی لئے ہندو آپ کی بڑی قدر کرتے ہیں اور آپ کو "موکش مولار" کے لقب سے نوازتے ہیں یعنی ماکس جس نے آواگون کے چکر سے نجات پائی۔

(۳) دیانند سرسوتی کا طریقہ تفسیر:۔ دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء۔۱۸۸۳ء) انیسویں صدی کے ایک مشہور ومعروف دینی مصلح گذرے ہیں۔ آپ نے ہندوستان میں قدیم آریائی تہذیب کے غلبہ کی کوشش کی اور اسکے لئے ۱۸۷۵ء میں ممبئی شہر میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی جسکے اغراض ومقاصد میں سب سے خطرناک مقصد "شدھی" کی دعوت ہے۔ "شدھی" کے معنی پاک کرنے کے آتے ہیں اور اس سے مراد انکے نزدیک مسلمانوں کو دوبارہ ہندو دھرم میں واپس لانا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائیں کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ شخص نجس ہو گیا لہٰذا دوبارہ ہندو بنا کر اسکو پاک کرنا ضروری ہے۔

دیانند نے ویدوں میں مذکورہ تاریخی واقعات کا انکار کرتے ہوئے ان تمام ہندو رسموں کو مسترد کر دیا جو قدیم زمانے سے ہندوستان میں چلی آ رہی تھیں۔ اور ویدوں میں مذکورہ بتوں کی انہوں نے یہ تاویل کی کہ در حقیقت یہ تمام نام ایک خدائے واحد کے متعدد مظاہر قدرت کا اظہار ہے۔ آپ کی تفسیر استعارات، مجاز اور تشبیہات سے پر ہے۔ آپ کی یہ تفسیر ہندو سماج میں قبول عام حاصل نہ کر سکی۔

وید اور تحریف :۔

ہندوؤں کے نزدیک وید الہامی ہیں۔ لیکن خود ویدوں میں پائی جانے والی داخلی شہادتوں اور قرائن سے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔ چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) منتروں کی تعداد میں اختلاف :۔

سوامی دیانند نے رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی کے صفحہ ۸۶ پر لکھا ہے کہ اتھر وید کا پہلا منتر "ارما ستو دیوی" ہے۔ لیکھرام کے نزدیک بھی اس کا پہلا منتر "ارم شنتو دیوی" ہی ہے جبکہ موجودہ وید کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ منتر چھبیسواں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے پچیس منتر بعد میں ملائے گئے ہیں۔

یجروید مطبوعہ بمبئی میں ۲۵ ادھیائے اور ۷ ۳ منتر ہیں جبکہ یجروید مطبوعہ اجمیر میں ۴۸ منتر ہیں۔ پنڈت مدن موہن رائے ایم ایس سی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں :

"ستوکرشی دیو وغیرہ تصانیف میں وید منتروں اور انکے لفظوں اور حرفوں تک کی جو گنتی دی ہوئی ہے وہ موجودہ ویدوں میں نہیں ملتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں میں کئی منتر ملائے گئے ہیں اور نکالے گئے ہیں"۔ (رسالہ گنگا ص ۲۲۳، مطبوعہ جنوری ۱۹۳۱ء)

منتروں کی تعداد میں اختلاف کے ساتھ ساتھ خود ویدوں کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پنڈت سانتی دیو شاستری رسالہ گنگا فروری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۳۳ پر لکھتے ہیں :

"پہلے تو آج تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ وید چار ہیں یا تین۔ منو سمرتی اور شت پتھ براہمن کی رو سے رگ وید، یجروید اور سام وید یہ تین وید ہیں اور برہدنیک اپنشد، ہر تلو اپنشد اور منڈک اپنشد کی رو سے وید چار ہیں"۔

(۲) سوکتوں کے آخر میں انکے مؤلفین کی تصریح :۔

وید کے ہر سوکت کے آخر میں انکے مرتب کا نام موجود ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وید ان ۱۳۰ رشیوں کا کلام ہے جن کے نام سوکتوں کے آخر میں پائے جاتے ہیں نیز خود وید کے بعض منتروں میں بھی رشیوں نے یہ صراحت کی ہے کہ منتروں کے خالق ہم ہیں۔ چند منتر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "اے گھوڑوں والے ہم تمہارے لئے نیا منتر بناتے ہیں"۔ (رگ وید، ۲ :۱۶ :۲۱)۔

۲۔ "ہم آسمانی باز کے مانند تیز رفتار اگنی کو مخاطب کر کے نیا منتر بناتے ہیں"۔ (۷ :۱۵ :۴)۔

۳۔ "تمہاری پرستش کے لئے جو نئے گیت بنائے گئے ہیں یہ منتر تمہیں خوش کریں"۔ (۷ :۹۱ :۲)

۴۔ "گوتم کی اولاد نے تیری ثنا اور تعریف میں یہ منتر بنائے ہیں"۔ (۱ :۶۳ :۹)

۵۔ "ہم تیری تعریف اگنی کے لئے اپنی عقل سے اس منتر کو بناتے ہیں۔ جیسے بڑھئی رتھ بناتا ہے"۔ (۱ :۹۵ :۱)

(۳) ویدوں میں متعدد ہندوستانی راجاؤں کے دان کی تعریف :۔

ویدوں میں متعدد ہندوستانی راجاؤں کے دان کی تعریف کی گئی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وید انسانی کلام ہیں یا ان میں انسانی کلام کا وافر حصہ شامل ہے۔

اس قبیل کا ایک منتر ملاحظہ ہو :۔

"مجھ کو رتھ پورو اور راجہ پیدو نے غلام اور سو گائیں دان میں دیں" رگ وید (۱۰ / ۶۲ / ۷)

(۴) ویدوں میں غیر انسانی تعلیمات کا پایا جانا۔

ویدوں میں فحش باتوں، متناقض منتروں کے ساتھ ساتھ ایسی تعلیمات بھی پائی جاتی ہیں جو غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہیں۔ بطور نمونہ چند تعلیمات سطور ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

"شودر کو نیک صلاح نہیں دینی چاہیے۔" (رگ وید ۸ ،۴۰ :۱۱۰)

"نیچی ذات والا اگر اونچی ذات والے شخص کا پیشہ اختیار کرتا ہے تو راجہ اسکی دولت چھین کر اسے ملک بدر کردے" (رگ وید :۳ ،۵۳ :۱۱۰)

"لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں" (اتھر وید ۱/۱۷ ۔ یجروید ۸ ۔ ۵)

"اگر کسی عورت کے دس خاوند ہوں مگر اسکے بعد برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہ برہمن کی ہو جاتی ہے، برہمن ہی خاوند ہے نہ چھتری اور نہ ویش۔ تمام لوگوں میں اس امر کا اعلان کرتا ہوا سورج روز چلتا ہے۔" (اتھر وید ۵ :۱۷ :۹)

۔ مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وید غیر الہامی ہیں اور اگر الہامی رہے بھی ہوں تو ان میں انسانی کلام کا کافی حصہ پایا جاتا ہے۔ اس امر کا اعتراف خود ہندو مفکرین اور دانشوروں نے بھی کیا ہے۔

پنڈت رادھا کرشن لکھتے ہیں: "ویدوں کی تعلیم حقیقی معرفت خداوندی سے فروتر ہے اور ہمیں نجات نہیں بخش سکتی۔" فلاسفی آف اپنشد ۔ ص ۲۵)

پنڈت جواہر لال نہرو تلاش ہند میں رقمطراز ہیں: "بہت سے ہندو ویدوں کو خدائی کتاب سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کیوں کہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف اس زمانے کی معلومات کا مجموعہ ہیں۔ یہ بہت سی چیزوں کا غیر مرتب ذخیرہ ہیں۔

پنڈت گنگا پرساد لکھتے ہیں: "وہ منتر" (رگ وید منڈل ۸، منتر ۳۸) اتنا فحش ہے کہ معمولی سنسکرت جاننے والا بھی اسے پڑھنے کی ہمت نہ کرے۔ ابھی تو لوگ اس لئے پڑھ لیتے ہیں کہ نہ پڑھنے والا سمجھتا ہے نہ سننے والا۔ لیکن کیا آریہ سماج کی یہی حالت رکھتی ہے۔ اس منتر کو نہ نکالا گیا تو اس کے خلاف یا تو شدید مخالفت ہوگی یا تو لوگ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر چھوڑ دیا کریں گے۔

اسلامی امتحانات بھوپال۔

بنیادی اسلامی تعلیم کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کا وجود ممکن نہیں ملک کے خاص حالات میں اسلامی بیداری کے لئے جامعہ اسلامیات بھوپال نے اسلامی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام زندہ ہو اور ہماری نسل اسلام پر رہے، تو امتحانات کا سینٹر قائم کریں اہل خانہ اور طلبا اور طالبات کو بھی شرکت کرائیں۔ امسال امتحان جولائی ۲۰۰۱ء میں منعقد ہونگے۔ قواعد و نصاب مفت طلب فرمائیے۔

عبدالحلیم

سکریٹری جامعہ اسلامیات

ندیم روڈ ابراہیم پورہ بھوپال ۴۶۲۰۰۱ (ایم.پی.)

اسرار شریعت

مردار کی حرمت کے اسباب

ابو علوی فلاحی

تمام ہی آسمانی شریعتوں میں مردار کا گوشت حرام رہا ہے۔ کتاب مقدس میں ہے۔ "جو جانور آپ ہی مر جائے تم اسے مت کھانا۔" (استثناء باب ۱۴ : ۲۱) قرآن کریم میں ہے :۔۔۔ "حرمت علیکم المیتۃ والدم .... تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون کا کھانا .... مردار کے گوشت کو کھانے کی یہ ممانعت متعدد حکمتوں پر مبنی ہے:

(۱) طبع سلیم مردار سے نفرت کرتی ہے کیونکہ مرنے کے بعد جانور میں بہت جلد تعفن پیدا ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے اس کا گوشت بدبودار اور بدمزہ ہو جاتا ہے۔

(۲) طبعی موت کسی مرض یا زہر یا ضعف یا فقر و فاقہ کے سبب ہو سکتی ہے۔ ان صورتوں میں وہ زہریلا مادہ یا مرض کے جراثیم مردار کے جسم میں باقی رہتے ہیں اور اس کا گوشت استعمال کرنے سے وہ دوسرے کے بدن میں منتقل ہو کر وبائی، سنگین اور مہلک امراض پیدا کر سکتے ہیں۔

(۳) مردار کے جسم میں خون اور دیگر رطوبات منجمد ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ خون میں ایک زہریلا مادہ "یورک ایسڈ" پایا جاتا ہے جس سے وہ گوشت انسانی صحت کے لئے ضرر رساں ہو جاتا ہے۔

(۴) یہ ممانعت جانور کے مالک کو امراض سے حفاظت کرنے، غذا کا قلت سے بچانے اور اسے آزادانہ چرنے کے لئے چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام قرار دے کر چرند و پرند کے لئے اپنی رحمت سے غذا مہیا کر دی ہے کیونکہ وہ بھی ہماری طرح ایک امت ہیں۔

محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ مردار کا گوشت انسانوں کی غذا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے کہ جسم انسانی کے جو اجزاء اور منجمد ہوتے رہتے ہیں ان کا بدل بننے کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی۔ تذکرہ حیوانات میں ہے۔ "مردار جانور کھانے کے قابل نہیں ہیں ان میں جلد سڑن (سڑانڈ) پیدا ہو جاتی ہے اس لئے یہ انسانی غذا نہیں بن سکتے" (ص ۲۰۴-۲۰۵)

ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ آدمی کوئی ایسی چیز کھائے جس کے حصول کا اس نے قصد و ارادہ نہ کیا ہو۔ مردار کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ البتہ جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے یا جس کا شکار کر لیا جاتا ہے اس میں انسان کے قصد و ارادہ اور اس کی سعی و عمل کا دخل ضرور ہوتا ہے۔

فقہ و فتاویٰ

ادارہ

سوال: ایک یتیم نابالغی کی حالت میں گھر کے فرد کی طرح رہتا ہے جوان ہونے کے بعد وہ گھر کا کھانا پکاتا ہے۔ گھر کی عورتیں غضِ بصر اور حفظِ فروج کے ساتھ دوسرے کام کرتی ہیں۔ سینے پر گلی ڈال لیتی ہیں اور لڑکا اپنے کام میں مشغول غضِ بصر کے ساتھ کھانا پکا کر باہر چلا جاتا ہے تو کیا یہ عمل ازروئے شریعت درست ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق: جن لوگوں کے نزدیک آیت "لا یبدین زینتھن الا ما ظھر" میں ما ظھر سے مراد چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں ان کے نزدیک صورت مذکورۃ فی السوال کے جواز کی گنجائش ہے۔ عبد اللہ بن عباس اور ان کے شاگردوں اور بعد کے فقہاء حنفیہ کے نزدیک فتنہ کا احتمال نہ ہو تو عورت کے لئے غیر ذی محرم سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا پردہ نہیں ہے۔ لیکن عبد اللہ بن مسعودؓ کے نزدیک "ما ظھر منھا" کی مذکورہ تفسیر مرجوح ہے۔ راجح بلکہ صحیح قول "ما ظھر منھا" کی تفسیر میں یہ ہے کہ اس سے مراد وہ آرائش و زیبائش ہے جو آپ سے آپ یعنی بغیر قصد کے ظاہر ہو جائے یا جو آپ سے آپ ظاہر ہو جیسے برقع یا چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے۔ عورتوں کو اپنی زینت کی نمائش کی ممانعت کے ساتھ ادناء جلباب (سر پر ایک بڑی چادر کا ڈال لینا) کا بھی حکم ہے اور اس پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپائے رکھے۔ البتہ ادناء جلباب کے باوجود اگر بغیر قصد و ارادہ کے کوئی زینت کی چیز کھل جائے یا خود ظاہر ہو جائے تو اس پر اللہ کے یہاں کوئی مواخذہ نہیں۔ پردہ کا حکم نازل ہو جانے کے بعد عہد نبوی کی تمام عورتیں اپنے چہروں کو اجنبی مردوں سے پردے میں رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ احرام کی حالت میں جبکہ چہرے پر نقاب ڈالنا ممنوع ہے اجنبی مردوں کے سامنے آجانے کی صورت میں عورتیں اپنے چہروں پر چادریں لٹکا لیا کرتی تھیں۔

صورت مسئولہ میں یہ تو ہو سکتا ہے کہ گھر کی عورتیں کھانا پکانے والے اس لڑکے سے غضِ بصر سے کام لیتے ہوئے اپنے کام دھام میں مشغول رہیں لیکن جب وہ اپنے چہروں، ہاتھوں اور ان کی زیبائش و آرائش کو کھلا رکھیں گی تو ادناء جلباب کے حکم پر عمل نہیں ہوگا اور اس لڑکے کی طرف سے غضِ بصر پر عمل نہیں ہو سکے گا۔

تلخ و شیریں

علماء کرام کی رواداری کہاں گئی؟!

ثناء اللہ سیالکوٹی

پہلے علماء کرام میں باوجود نظریات کے اختلاف کے رواداری ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرتے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مالی تعاون بھی کرتے۔ ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے، خیر خیریت دریافت کرتے رہتے، کسی جگہ تبلیغ کے لئے جاتے، ملاقات کر کے آتے، حتی کہ مناظرے میں بھی کرتے۔ اخلاق و رواداری کا مظاہرہ بھی دیکھنے میں آتا۔ آج کل تو ایک دوسرے کو دیکھنے کے روادار نہیں۔ ان سے کلام تک نہیں کرتے۔ سلام لینا گوارہ نہیں کرتے نہ صرف اپنے درمیان بلکہ اپنے مقتدیوں کے درمیان بھی نفرت کی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ ایک دوسرے کی مسجد میں نماز ادا کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ ایسا کیوں ہے؟ ایک تو علماء کرام میں علم کی کمی ہے، دوسرے دین کو کاروبار بنا لیا ہے۔ مختلف کمپنیوں کی طرح اپنے علیحدہ ٹریڈ مارک رکھتے ہیں، کمپنی کی شہرت کے لئے نفرت کے بیج بونا ضروری ہے۔ علماء کرام اور عوام کی رواداری کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ انہیں احساس ہو کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ غلط ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے حالات میں تحریر کیا ہے

....

"مولانا کے جود و سخا کا ایک واقعہ مولانا عاشق مسلم مرحوم نے سنایا جو احناف کے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ سید حبیب بیمار ہو گئے اور کئی دن صاحب فراش رہے، وہ مسلکاً بریلوی تھے اور روزنامہ "سیاست" کے مالک اور ایڈیٹر تھے، جو لاہور سے شائع ہوتا تھا اور اپنے زمانے کا مشہور اخبار تھا خود سید صاحب کی ملک کے سیاسی و مذہبی حلقوں میں بڑی شہرت تھی۔ سید صاحب فقہی مسلک کے اعتبار سے مولانا ثناء اللہ کے مخالف تھے اور اخبار میں سلسلہ بحث جاری رہتا تھا۔ مولانا کو ان کی بیماری کا پتہ چلا تو عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کے مکان پر پہنچے، مولانا محمد عاشق مسلم نے بتایا کہ اس وقت وہ بھی سید صاحب کے پاس موجود تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مزاج پرسی

کی، چند منٹ ان کے پاس بیٹھے اور پھر بقول مولانا محمد مسلم کے ان دونوں سے نظر بچا کر پیچھے سے ایک لفافہ سید حبیب کے تکیے کے نیچے رکھ دیا، لیکن سید صاحب کو پتہ چل گیا اور بات ظاہر ہو گئی، سید صاحب نے شکریہ ادا کیا اور لفافہ واپس کرنے کی کوشش کی، ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، مولانا نے ان کے لئے دعا کی، انھیں تسلی دی اور اصرار کیا کہ رکھ لیں، سید صاحب نے لفافہ کھولا تو سو روپے کے نوٹ تھے، یہ سن ۱۹۳۰ء یا اس کے لگ بھگ کی بات ہے اور سو روپے کی رقم اس دور میں بہت بڑی رقم تھی بلکہ سو روپے والے بعض ایسے لوگ بھی تھے جو عام آدمی سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے، مولانا محمد مسلم کا بیان ہے تھوڑی دیر بعد میں اور مولانا ثناء اللہ دونوں سید حبیب کے گھر سے نکلے، دونوں کو لوہاری دروازہ جانا تھا، تانگہ آیا تو مولانا نے کوچوان سے دو آدمیوں کا لوہاری بازار کا کرایہ پوچھا، اس نے جواب دیا ایک سواری کا ایک آنہ، دو کے دو آنے، مسلم صاحب کہتے ہیں میں نے عرض کیا وہاں آپ سو روپیہ دے آئے ہیں اور یہاں غریب تانگے والے سے کرایہ پوچھ رہے ہیں، یہ ایک آنہ نہیں تو ڈیڑھ آنہ لے لیتا، فرمایا وہ اللہ کا معاملہ تھا، اس میں حساب کی ضرورت تھی نہ کچھ طے کرنے کی، یہ بندوں کا معاملہ ہے، بندوں سے جو معاملہ کیا جائے وہ پہلے طے کر لینا چاہیے تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔

(بزم ارجمنداں ص ۱۷۸-۱۷۹)

☆ مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم، مشہور مسلم لیگی سیاستدان تھے، جماعت اہل حدیث پاکستان کے پہلے امیر تھے، انھوں نے ایک واقعہ بیان کیا جسے مولانا اسحق بھٹی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ۔۔ تحریک عدم تعاون کے زمانے میں میں اور مولانا ظفر علی خان سیال کوٹ کے دورے پر گئے، ایک جگہ جا رہے تھے کہ اثناء سفر میں علی پور سیداں پہنچ گئے، میں نے مولانا ظفر علی خان سے کہا چلئے پیر جماعت علی شاہ صاحب سے ملتے چلیں، وہ سیاسیات میں ہمارے شدید مخالف تھے اور مولانا ظفر علی خان نے تو "زمیندار" میں بے شمار نظمیں اور مضامین ان کے خلاف لکھے تھے، انھوں نے کہا وہ ہماری مخالفت کریں گے، ان کے پاس نہیں جانا چاہیے مگر میں نے ان سے ملنے پر اصرار کیا، بالآخر ہم ان کے مکان پر پہنچ گئے، پیغام بھیجا، فوراً اندر بلا لیا اور میرے لئے مسند خالی کر دی، کہا آپ سید ہیں، بہت بڑے علمی اور مجاہد خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، خود بھی عالم ہیں اور نیک کام کے لئے نکلے ہیں، ہمارے معزز مہمان ہیں، اس مسند پر آپ ہی تشریف رکھیں گے، میں ہر چند

معذرت کی مگر وہ نہ مانے، آخر ان کے اصرار پر میں بیٹھ گیا، اور مولانا ظفر علی خان کو بھی انھوں نے میرے برابر بٹھا لیا، پھر ہم نے یہ کہکر مسند چھوڑ دی کہ تعمیل ارشاد ہو گئی ہے، مولانا نے بتایا جب تک ہم بیٹھے رہے وہ اپنی مسند پر نہیں بیٹھے، ہمارے برابر بیٹھے رہے، پانی پلایا، کھانا کھلایا، رات رہنے پر اصرار کیا اور بہت اچھی طرح پیش آئے۔

(داؤد غزنوی ص ۱۴۸-۱۵۰)

☆ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے دیوبندی مکتب فکر کے مشہور عالم دین مولانا احمد علی لاہوری کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے کہا، مولانا مرحوم پاکیزہ فکر اور صاف ذہن کے مالک تھے اور مسلکی تعصب سے پاک تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود بہت سے اختلافات و عقیدت رکھنے کے باوجود عمر بھر پہلے مولانا عبدالواحد غزنوی مرحوم اور ان کے بعد مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی اقتداء میں لاہور کے منٹو پارک کے جو اب اقبال پارک سے موسوم ہے، عیدین کی نماز ادا فرماتے رہے، ہمیشہ صف اول میں امام کے پیچھے جا کر بیٹھ جاتے اور خطبہ سننے کے بعد وہاں سے اٹھتے۔ پھر ان کی یہ بلند کرداری اور وسعت قلب و نظر ملاحظہ ہو کہ اپنی ایک صاحبزادی مولانا عبدالمجید سوہدری مرحوم کے عقد میں دی جو مشہور اہل حدیث عالم و مبلغ، معروف مصنف و مناظر اور ہفت روزہ "مسلمان" اور "جریدہ اہلحدیث" کے نامور ایڈیٹر تھے۔

(نقوش عظمت رفتہ ص ۳۷۷)

☆ بھٹی صاحب نے مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے بارے میں تحریر کیا، ان میں کسی بات میں ناراضگی ہو گئی، میں غزنوی مرحوم کی نمائندگی کرتے ہوئے شاہ جی کے پاس گیا، مجھے مولانا تاج محمود اور مولانا مجاہد الحسینی لے کر گئے تھے، انھوں نے غزنوی کے بارے میں کہا: میں فقیر آدمی ہوں، مولانا داؤد غزنوی سے خفا ہونے اور ان سے گلے شکوے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، میں امرتسر کی ایک مسجد میں بیٹھا زندگی کے دن گذار رہا تھا اور اپنے تھوڑے سے علم کے مطابق وعظ و نصیحت کا کام انجام دے رہا تھا کہ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت شروع ہو گئی، داؤد غزنوی مجھے جانتے تھے اور میرے طریق وعظ کا انھیں علم تھا، میں نہایت سادگی سے رہتا اور کھدر کا نیلے رنگ کا تہبند باندھتا تھا، ان کا گھرانہ فضل و کمال اور تصوف و طریقت کا گھرانہ تھا، جس کے فیوض و برکات کا دائرہ سارے

پنجاب پر محیط تھا، ان سے ملاقات ہوتی تو نہایت مہربانی کا اظہار کرتے، میں جھک کر سلام کرتا، ان کی جوانی کا زمانہ تھا، میں بھی جوان تھا لیکن ان کا شمار اس دور کی مجلس خلافت کے قائدین میں ہوتا تھا اور میں گوشہ نشین امام مسجد، ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کیوں مسجد میں بیٹھے اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہو، اٹھو میدان میں نکلو، ملک و قوم کو تمہاری ضرورت ہے، میں ان کے کہنے پر مسجد کی چہار دیواری سے باہر نکلا اور تحریک خلافت میں حصہ لینا شروع کر دیا، میانوالی جیل میں ہم دونوں اکٹھے رہے اور بارہا جیل اور ریل میں ہماری رفاقت رہی، تحریک خلافت میں جمعیت علماء ہند جس کے بانیوں میں خود داؤد غزنوی کا نام بھی شامل ہے، مجلس احرار اور بعض دوسری جماعتوں میں ہم نے ایک ساتھ کام کیا، ایک اسٹیج پر تقریریں کیں اور بے شمار مواقع پر ہم سفر رہے، شاہ جی نے فرمایا، میں سیاست میں ان کو اپنا استاد سمجھتا ہوں اور استاد کا گلہ کرنا اس فقیر کا شیوہ نہیں، میری جوانی گزر گئی، اب بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو رہا ہوں اور قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں، میر اللہ اللہ کرنے کا وقت ہے، گلے شکوے کی کتاب کھول کر بیٹھنے کا نہیں، اسحاق صاحب میرا انہیں نیاز مندانہ سلام پہنچا دیجئے اور میری طرف سے عرض کیجئے کہ وہ میرے پرانے ساتھی ہیں، مجھ گنہگار کے لئے دعا کریں، میں بھی ان کے لئے دعا گو ہوں، میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے آپ کو میرے پاس بھیجا، آپ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس فقیر کے پاس آنے کی زحمت گوارا کی ...... آگے لکھتے ہیں: ظاہر ہے خود مولانا بھی اپنے متعلق شاہ جی کے تاثرات معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھے، وہ میرا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے پوری توجہ اور غور سے سنیں اور دوران سماعت کئی بار اشکبار ہوئے، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ بات چیت سے شاہ جی کی افسردگی کا اندازہ ہوتا تھا اور سننے والے بھی افسردہ تھے، کیفیت یہ تھی کہ

"افسردہ دل، افسردہ کند انجمنے را"

(نقوش عظمت رفتہ ص ۲۰۳-۲۰۴)

اندازہ کیجئے ناراضگی میں بھی کس طرح دونوں ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ ہر ایک دوسرے کے لئے دعا گو ہیں، آج حالت یہ ہے کہ ایک دوسرے کے نظریات کا خیال رکھا جاتا ہے نہ اس کے جذبات کا، دوسروں کو بدنام کرنے کے لئے اخبارات میں کئی سو پونڈ خرچ کر کے اشتہارات

اڑے رہے ہیں، سمجھتے ہیں دین کی خدمت کی جا رہی ہے، حتیٰ کہ دوسروں کو بدنام کرنے کے لئے کئی شوشے چھوڑے جاتے ہیں، کبھی تحریروں کے تجلید رکھتے ہیں، کبھی ائمہ کرام کی آڑ لے کر دوسروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں، مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے کہا اب مذہب کا نام لینے والوں کے درمیان منافرت ہے اس کا تذکرہ بھی ان کے الفاظ میں سنئے:

اب تو مسجدوں میں گولیاں چلتی ہیں، محض مسلک کی بنیاد پر نمازیوں کو حالت نماز میں قتل کر دیا جاتا ہے، اماموں پر حملے کئے جاتے ہیں اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، مذہبی جلسوں میں مقررین اور حاضرین کو گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے، ان پر بم چلائے جاتے ہیں، گھروں میں گھس کر اپنے مذہبی مخالفوں کو چھلنی کر دیا جاتا ہے، وہ مناظروں کا زمانہ موجودہ زمانے سے ہزار درجے بہتر تھا، کسی مسئلہ پر بحث ہوئی، مناظرہ ہوا اور بات ختم ہو گئی، پھر وہی پیار محبت کی باتیں اور وہی ہنسی مذاق کے سلسلے، سب ایک دوسرے کے دوست، ایک دوسرے کے تعلق دار اور ایک دوسرے کے بہی خواہ، کدورت، بغض اور عناد کا کہیں نام و نشان نہ تھا، ہر مسلک کے عالم اور مبلغ بلا کسی خوف کے آزادی سے ادھر ادھر جاتے اور اپنے مسلک کی کھلے عام تبلیغ کرتے تھے، اب کوئی عالم اور مبلغ گھر سے باہر نکلتا ہے تو گن مین اس کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ عالم و مبلغ اس طرح چلتا ہے جیسے پولیس کی بندوق کے پہرے میں ڈاکو چلتا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایسے تبلیغ کرتے تھے۔ (کاروان سلف ص ۱۹۳-۱۹۴)

قارئین کرام! علماء خصوصاً دینی ذوق رکھنے والوں کے درمیان تعلقات کا جائزہ لینا ہو، علماء کرام کے ذاتی حالات سے واقف ہونا ہو، ان کی خدمات پر حقیقت پسندانہ تبصرہ دیکھنا ہو تو مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی تصانیف کا مطالعہ ضرور کیجئے، ان میں نہ صرف اہل حدیث علماء بلکہ شیعہ، بریلوی، دیوبندی مشہور علماء کے تذکرے بھی ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے
چودھویں تاریخ ساز اجلاس کی روداد

رپورٹ: سید رضوان احمد ندوی

پھلواری شریف، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا چودھواں تاریخ ساز اجلاس مورخہ ۲۸، ۲۹ ؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کو قمر گلستاں، بلکہ احاطہ دار العلوم مجیبیہ ارشاد میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک بھر سے تقریباً ۲۰۰ سرکردہ علماء، دانشور، مشائخ، قائدین، قانون داں اور عمائدین ملت نے شرکت کی۔ اور مسلمانوں کو درپیش اہم مسائل پر غور کیا۔

اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر بورڈ حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی نے فرمایا کہ سچائی کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ اس کو جغرافیائی حد بندیوں میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ جب کوئی قوم داعی بنا کر پیدا کی جائے اور وہ اپنا کام چھوڑ دے تو مدعو بن جائے گی۔ آپ کا کام دعوت تھا جب آپ نے اپنا کام چھوڑ دیا تو دوسروں کے دستر خوان کے طفیلی بن گئے۔ آج ہم کو غیر اسلامی تہذیب کو قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ جس سچائی کے ہم امین ہیں اس کو دنیا تک پہنچائیں۔ آر۔ ایس۔ ایس کے سدرشن ہوں، یا بھاجپا و اڈوانی ان سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام جس سچائی کا داعی ہے وہ اس کا مطالعہ کریں۔ اور اس بات پر غور کریں کہ ہزاروں خداؤں کی پرستش کے بجائے ایک مالک کے سامنے سر جھکانا بہتر ہے یا ہزاروں معبودوں کو رب ماننا۔ ہم کسی سے نفرت نہیں کرتے ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں وہ در حقیقت اسلام کی ابدی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ آپ خود غور کریں کہ ہمارے ملک میں جہاں ذات و برادری کی تفریق نے انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جناب محمد ﷺ کا پیغام کہ ہر انسان برابر ہیں۔ ایک خدا کے مخلوق ہیں اس میں نہ کوئی برہمن ہے نہ کوئی دلت، نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی چھوٹا۔ بس یہ آفاقی سچائی ہے جس کو قیامت تک قائم رہنا اور دنیا کے ہر ملک میں پیام رحمت ہے۔

مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا مفتی اشرف صاحب نے آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور شریعت اسلامی کے تحفظ کی جنگ میں شریک رہنے کے لئے اپنی طرف سے اور اہل کرناٹک کی طرف سے یقین دلایا۔ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری نے بورڈ کے قیام کی تاریخ اسباب و محرکات اور بورڈ کے اجلاس میں کئے گئے فیصلوں کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ حالات میں بورڈ کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ پہلے سے کہیں زیادہ اتحاد و فکر و عمل کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اجلاس کے مہمان خصوصی جناب جسٹس اے۔ احمدی صاحب سابق چیف جسٹس آف انڈیا نے دستور ہند پر نظر ثانی کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ دستور میں ترمیم کی جو بات کی جا رہی ہے وہ دراصل پورے دستور کو بدلنے کیلئے گویا فضا کو ہموار کیا جا رہا ہے۔ اسلئے تنظیموں کو چوکنا رہنا چاہئے اور اپنی طرف سے بحث کیلئے تمام تیاریوں کا خاکہ پہلے سے مرتب کر لینا چاہئے۔ بورڈ کے اس تاریخ ساز دو روزہ اجلاس میں دستور ہند پر نظر ثانی کے مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو ہوئی اور طے کیا گیا کہ دستور کے بنیادی ڈھانچہ اور اس کی روح میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو گوارہ نہیں کیا جائے گا۔ بورڈ نے اس مسئلہ پر نظر رکھنے کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی ہے۔ بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کے تعلق سے قرارداد میں کہا گیا کہ ملک کی مجموعی ترقی کے تمام اکائیوں میں پر امن فضا کے باہم رواداری اور محبت و احترام کے رشتوں کا استحکام ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ملک کے باشندوں سے اپیل کی گئی کہ وہ ایک مخصوص طبقہ پر نظر رکھیں جو تعداد میں کم ہونے کے باوجود ملک کے اقتدار کے مراکز پر حاوی ہوتا جا رہا ہے۔ اجلاس میں مجوزہ نکاح نامہ و اقرار نامہ کا مسودہ بھی پیش کیا گیا اور پھر اسے مزید بہتر اور موثر بنانے کی ضرورت کے خاطر دوبارہ کمیٹی کے حوالے کیا گیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دستور اساسی کی بعض دفعات میں ترمیم کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا اور پھر اس کی جزوی ترمیم پر اجلاس میں اتفاق کیا گیا۔ بورڈ کے اس اجلاس میں بابری مسجد کے مسئلے پر مکمل گفتگو ہوئی اور طے کیا کہ بابری مسجد پہلے بھی مسجد تھی آج بھی مسجد ہے اور وہ جگہ ہمیشہ مسجد رہے گی۔ ناجائز طور پر مورتیوں کو رکھ دینے کی وجہ سے مسجد کی حیثیت

ختم نہیں ہو سکی۔ اس جلسے میں بورڈ نے تمام ۷ دسمبر ۲۰۰۱ء بروز جمعہ ائمہ مساجد سے کہا کہ خطبہ میں بابری مسجد کی تعمیر نو کے مطالبہ کا اعادہ کریں اور حکومت اور صدر جمہوریہ ہند سے مقدمہ کے آخری فیصلے تک بابری مسجد کی آراضی پر کسی قسم کی تعمیر کی کوشش کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کریں۔ نیز ۶ دسمبر کو عوامی جلسے اور سیمینار مختلف مقامات پر منعقد کئے جائیں جس میں غیر مسلم بھائیوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ اور اس کانفرنس میں بابری مسجد کے مسئلے کی تفصیلات بیان کی جائیں۔ بورڈ نے ملک گیر سطح پر اصلاح معاشرہ تحریک کو منظم کرنے پر زور دیا اور صوبائی کمیٹیاں تشکیل دینے کی تجویز پاس کی۔

اجلاس کا اختتام منگلور اعلانیہ سے ہوا جس میں اس امر پر شدید افسوس کا اظہار کیا گیا کہ فرقہ پرست طاقتیں بیرونی سامراجی طاقتوں کی ایماء و تعاون سے ملک کے جمہوری اور سیکولر کردار کو پامال کر رہی ہیں۔ اس لئے اعلانیہ میں تمام شہریوں سے اپیل کی گئی کہ وہ خاموش تماشائی نہ بنے رہیں بلکہ آگے بڑھ کر ماحول کو درست رکھنے اور باہمی رشتوں کو رواداری اور احترام انسانیت کی بنیاد پر قائم کرنے اور قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

بورڈ کے اس دو روزہ اجلاس کے اختتام پر ۲۹ اکتوبر کو بعد نماز مغرب عید گاہ قدوس صاحب میدان منگلور میں اجلاس عام ہوا جس میں ایک اندازہ کے مطابق ۴۰ ہزار سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس عام سے مولانا کلب صادق صاحب نائب صدر بورڈ، مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب لکھنؤ، مولانا خلیل الرحمان سجاد ندوی صاحب لکھنؤ، جناب سید شہاب الدین صاحب دہلی مولانا انیس الرحمان صاحب قاسمی پھلواری شریف پٹنہ، مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب ناگپور، ڈاکٹر محسن علی بدایونی، مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب دہلی، مولانا عبد الوہاب صاحب دہلی، مولانا محمد رضوان القاسمی حیدرآباد، مفتی اشرف علی صاحب منگلور، مولانا طیب الرحمان صاحب آسام، مولانا عبد اللہ مغیثی صاحب میرٹھ، مفتی نسیم احمد صاحب قاسمی پٹنہ، جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ، جناب قمر الاسلام صاحب وزیر حکومت منگلور، جناب کے رحمان صاحب ایم پی منگلور، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب کیرالہ، جناب مولانا سلیمان سکندر صاحب حیدرآباد،

مولانا عبد العلی صاحب فاروقی لکھنؤ اور مولانا سید اسعد مدنی صاحب دہلی نے خطاب کیا مولانا اس محمد گلزار نے ایک نظم پیش کی۔

بورڈ کا یہ اجلاس ہر اعتبار سے تاریخی اور کامیاب رہا۔ اہل منگلور نے اپنی میزبانی اور روایتی محبت کا حق ادا کر دیا۔ مجلس استقبالیہ کے صدر مفتی اشرف علی صاحب جنرل سکریٹری مولانا مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب اور ان کے رفقاء کرام نے جس خوش اسلوبی اور جس رہنمائی سے اجلاس کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا وہ قابل مبارک باد ہیں۔ بورڈ کے انتظام اور انصرام میں پس پردہ اہل خیر حضرات کا تعاون لائق ستائش اور باعث اجر ہے۔ اللہ ان سبھوں کو جزائے خیر دے۔

منگلور اعلانیہ

اس وقت ہمارا ملک ہندوستان اپنی تاریخ کے نہایت سنگین دور سے گذر رہا ہے اور فاشسٹ طاقتیں جو ملک کے جمہوری کردار اور مذہبی سیکولر روایات پر یقین نہیں رکھتیں، بام اقتدار تک پہنچ چکی ہیں، اور وہ ایسی طاقتوں کے زیر اثر ہیں جو کبھی اس ملک کے تئیں ہمدرد و بہی خواہ نہیں رہے، چنانچہ ایک طرف ملک کی غالب اکثریت غربت اور خط غربت کے نیچے زندگی گذار رہی ہے اور تعلیم، صحت اور تمام بنیادی ضرورتوں سے محروم ہے، دوسری طرف ملک کے باشندوں میں مذہبی بنیادوں پر باہم نفرت پھیلائی جارہی ہے، تاکہ ملک کو درپیش اصل مسائل کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹ جائے اور ان کے مذموم مقاصد پورے ہو سکیں۔

ہم اس نازک موقع پر سب سے پہلے ملک کے تمام شہریوں سے یہ دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ حالات کے اس سنگین رخ کو فرقہ پرست طاقتوں کے ناپاک ارادوں کو گہرائی سے سمجھیں اور آپس میں ایک دوسرے کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی اس سازش کو ہرگز کامیاب نہ ہونے دیں۔

ہم ملک کے تمام مذہبی رہنماؤں، دانشوروں، صحافیوں، اساتذہ کرام اور سماج پر اثر انداز ہونے والے ہر طبقے اور ہر فرد سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس وقت خاموش تماشائی نہ

سے رہیں بلکہ آگے بڑھ کر ماحول کو درست کرنے، درست رکھنے اور باہمی رشتوں کو رواداری اور احترام انسانیت کی بنیاد پر قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

ہم ملک کے ان تمام سیاسی قائدین سے بھی جو اپنے کو فسطائیت کا مخالف اور سیکولرزم کا علمبردار کہتے ہیں، واضح لفظوں میں یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے حقیر مفادات پر ملک میں جمہوری روایات اور سیکولرزم کے تحفظ کو ترجیح دیں اور ایک مشترکہ منصوبہ بندی کے ذریعہ ملک کو درپیش داخلی و بیرونی خطروں سے بچانے کے مقصد کو ہر دوسرے مقصد سے مقدم رکھیں۔

حالات کے اس تناظر میں کہ ہندوستان کی مذہبی اقلیتیں اس وقت کھلم کھلا سرکاری دہشت گردی 'STATE TERRORISM' کا شکار ہیں، ہم تمام اقلیتوں سے، خصوصاً ان رہنماؤں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایک منظم، اجتماعی، حوصلہ مندانہ اور مدبرانہ کوشش سے حالات کے مقابلے اور ملک کے ماحول کو ان برائیوں سے پاک کرنے کی جدوجہد کا آغاز کریں۔

ہم خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں سے، جو طویل عرصے سے ظلم و تفریق (Discrimination) کا شکار ہیں اور اب پوری قوم کا حوصلہ، اس کا وقار، اس کے تعلیمی و تہذیبی مراکز، اس کی مذہبی جماعتیں اور تحریکات اور مسلم نوجوان، ظالمانہ حملوں کا شکار بن رہے ہیں، صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ان حالات سے ہرگز خوفزدہ و ہراساں نہ ہوں بلکہ ان کو ایک چیلنج کی طرح قبول کر کے اس طرح اس کا مقابلہ کریں کہ:

۱۔ شریعت اسلامیہ سے اپنی وابستگی کو اور بڑھائیں۔

۲۔ ذات، برادری، خاندان کی تقسیم سے اوپر اٹھ کر، اور مسلک و مشرب کے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں، اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ اتحاد و اتفاق ہی زندگی ہے اور انتشار و اختلاف موت، لہٰذا اپنے مسلک و مشرب کے اختلاف کو اسی دائرے تک محدود رکھیں اور امت کی اجتماعیت کو متاثر نہ ہونے دیں۔

۳۔ اپنے نزاعی مسائل و آپسی گفتگو سے حل کریں اور جہاں شرعی دارالقضاء یا شرعی پنچایت موجود ہو وہاں اپنے مسائل ان کے سامنے پیش کریں۔

۴۔ اپنے پڑوسیوں اور ملک کے عام شہریوں سے رابطہ قائم کرنے میں پہل کریں اور اپنے اخلاق و معاملات اور خدمت خلق سے فاصلوں کو کم کرتے ہوئے، غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنے اور دلوں کو جیتنے کی کوشش کریں، نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ حسن اخلاق اور جرأت و عزیمت دونوں کی جامعیت اور حسین یکجائی سیرت اکرم ﷺ کا خاص پیغام ہے۔

۵۔ ہم تمام علمائے کرام سے خاص طور پر یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ مسلم معاشرے کی اصلاح، فضول خرچی، وقت و مال کا ضیاع، شادی بیاہ کی غیر شرعی رسومات، جہیز اور لین دین کے مطالبات، ایک دوسرے کی دل آزاری، جنسی برائیوں سے بچنے اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی پوری رعایت کی ضرورت جیسے موضوعات کو اپنی تقریروں اور تحریروں کا خاص موضوع بنائیں، اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی دعوتی و اصلاحی کوششوں کے دائرے کو مزید وسعت دیتے ہوئے برادران وطن کے سامنے بھی حکمت اور محبت کے ساتھ یہ حقیقت رکھیں کہ وحدت الٰہ، وحدت انسانیت اور وحدت رسالت ہی دراصل انسانی برادری کے اتحاد کی مضبوط بنیاد ہے۔

تجویز برائے نظر ثانی دستور ہند

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ چودھواں اجلاس منعقدہ منگلور، مورخہ ۲۸-۲۹ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں دستور ہند پر نظر ثانی کا مسئلہ زیر بحث آیا، جناب جسٹس احمدی (ریٹائرڈ چیف جسٹس آف انڈیا) اور جناب سید شہاب الدین نے صورت حال کی تفصیل پیش کی۔ بورڈ کے ارکان نے موجودہ حکومت کے رجحانات اور دستور پر نظر ثانی کی اس تحریک پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے نظر ثانی کے اس اقدام کو پوری طرح رد کر دیا اور اس کی سخت ضرورت محسوس کی کہ اس سلسلہ میں کئے جانے والے سبھی اقدامات پر نظر رکھی جائے، اور اس بارے میں بورڈ نے ایک کمیٹی تشکیل دی جو دستور ہند پر نظر ثانی کرنے والے کمیشن کے فیصلوں اور اقدامات پر نظر رکھے گی۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

الوداعی نشست :- حسب روایت امسال بھی فارغین جامعہ کے اعزاز میں جامعہ کی جانب سے ابو اللیث ہال میں ۱۵/۱۱/۲۰۰۰ء کو الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ فارغین جامعہ نے اپنے تعارف کے بعد اپنے احساسات و تاثرات کا اظہار کیا۔ انکی نمائندگی کرتے ہوئے عزیزم معراج احمد کشمیری نے اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو علم و شریعت کی فضیلت بتائی اور حاملان شریعت کے مرتبہ و مقام کا پاس و لحاظ کرنے کی تلقین کی۔

طلبہ کے تاثرات و احساسات کے بعد استاذ محترم جناب مولانا عمران احمد صاحب فلاحی نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "عموماً فارغین مدارس عملی میدان میں جانے کے بعد احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ یہ سوچ کر جائیں کہ شریعت کا علم ہی حقیقی علم ہے دیگر تمام علوم سے افضل اور اونچا علم ہے نیز دنیوی علوم کو تو ہم محض اپنی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے اور باطل افکار و نظریات سے واقفیت کے لئے حاصل کرنے جارہے ہیں۔"

صدر جامعہ جناب مولانا طاہر مدنی نے فرمایا: "کسی بھی ادارے کا اصل تعارف اسکے فارغین ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آپ جو عمل کریں گے اسی کی روشنی میں لوگ ادارہ کے علمی مرتبہ و مقام کا تعین کریں گے۔ آپ کے کردار سے ادارے اور اسلام کی نیک نامی وابستہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اس پہلو کو ہمیشہ مد نظر رکھیں گے۔"

آخر میں یہ تقریب مہتمم تعلیم و تربیت جناب مولانا رحمت اللہ صاحب اثری کی اس نصیحت پر اختتام پذیر ہوئی کہ آپ جہاں بھی جائیں اور چاہے جہاں بھی رہیں دو چیزوں سے اپنا تعلق باقی قائم رکھیں۔ تلاوت قرآن مجید اور اقامت صلوٰۃ۔ اگر آپ نے ان دو چیزوں کو باقی رکھا تو ہمیشہ راہ راست پر گامزن رہیں گے۔

مجلس استقبالیہ : حسب معمول انجمن طلبۂ قدیم نے امسال بھی ۵ نومبر ۲۰۰۰ء کو ابو اللیث ہال میں فارغین کی تہنیت میں مجلس استقبالیہ کا انعقاد کیا۔ اس مجلس کا آغاز عزیزم مشتاق الاسلام کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ عزیزم کی تلاوت کے بعد طلبہ نے اپنے دلی تاثرات و احساسات کا اظہار کیا

اور طلبہ کی نمائندگی کرتے ہوئے معراج احمد کشمیری نے فرمایا: "کہ اجتماعیت اور بزرگوں کی رہنمائی کے بغیر دین پر قائم رہنا مشکل ہے۔ چنانچہ اجتماعیت کے شعور کی حفاظت کے لئے فارغین نے (انجمن طلبۂ قدیم) کی تاسیس کی تاکہ نظم جامعہ سے الگ ہونے کے بعد فارغین، انجمن طلبۂ قدیم کے نظم سے منسلک ہو کر اپنے ادارہ اور اسلام کی خدمت کر سکیں۔ آخر میں صدر انجمن جناب مولانا رحمت اللہ صاحب اثری نے انجمن طلبۂ قدیم کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور بعض غلط فہمیوں کی بناء پر اسکے در آئے اختلافات کو فرو کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا تذکرہ فرمایا اور فارغین کو انجمن سے منسلک رہنے کی ہدایت کی کہ اسکے ذریعہ ہی فارغین اپنے جامعہ سے منظم ربط رکھ سکتے ہیں اور اسکی خدمت کر سکتے ہیں۔

تعزیتی نشست :

استاذ محترم مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی مرحوم کی وفات پر ابو اللیث ہال میں ۱۵/۱۱/۲۰۰۰ء کو ایک تعزیتی نشست زیر صدارت مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی، منعقد ہوئی جسمیں اساتذہ و کارکنان جامعہ، طلبہ اور قرب و جوار کی معزز ہستیوں نے شرکت کی۔ اس کا آغاز عزیزم حبیب احمد کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ عزیزم کی تلاوت کے بعد حافظ احسان الحق صاحب نے موصوف کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ: "موصوف نمازوں اور نفل روزوں کے بہت زیادہ پابند تھے۔ مجھے مولانا کے ساتھ سفر کرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ موصوف نماز کا وقت ہوتے ہی رک جاتے اور نماز ادا کرتے آپ نے کبھی سفر میں بھی کسی وقت کی نماز قضاء نہیں کی۔"

"آپ کی دوسری اہم خوبی زیر دستوں کے ساتھ آپکی حد درجہ شفقت و عنایت تھی۔ جہاں کہیں بھی محسوس کرتے کہ طلبہ کو زیادہ دبایا جارہا ہے وہاں مولانا کی 'شفقت' آڑے آتی۔ جذبہ انفاق بھی آپکے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ متعدد طلبہ کی سرپرستی فرماتے، ناداروں کی مالی اعانت کرتے کسی بھی سائل کو اپنے در سے نامراد واپس نہ لوٹایا۔"

استاذ محترم مولانا عمران احمد صاحب فلاحی نے مرحوم کی دلکش و پرکشش شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: "آج ہم جس شخصیت کی تعزیت کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں وہ ہمارے لئے محتاج تعارف نہیں۔ جس کی کل ہم نے نماز جنازہ ادا کی ہے وہ سب کے نماز جنازہ میں شرکت کرتے تھے وہ امیر

کا ہو یا غریب کا اور جس جنازے میں بھی آپ شرکت کرتے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی کہ آپ ہی نماز جنازہ پڑھائیں۔ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ چند نمایاں خوبیاں درج ذیل تھیں۔

(۱) نماز کے بہت ہی پابند تھے، وقت پر نماز پڑھتے، موسم کتنا ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو وہ لاٹھی لیکر مسجد میں ضرور آتے اور طلبہ کو بھی وقتاً فوقتاً سمجھایا کرتے اور خصوصاً فجر کی نماز میں عدم شرکت پر تنبیہ کرتے۔

(۲) فقراء و مساکین کی اعانت کرنا آپ کا معمول تھا۔ چپکے چپکے مدد کرنا آپکی خصوصیت تھی۔ مولانا کی بیماری کے ایام میں کتنے ہی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا ہماری مدد کیا کرتے تھے اب ہماری مدد کون کرے گا۔

(۳) مذکورہ بالا خوبیوں کے علاوہ آپ مجاہد بھی تھے۔ میرے والد محترم کے بیان کے مطابق آزادی کے بعد رسولپور میں گائے کی قربانی کے تعلق سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں جھگڑے کا اندیشہ ہوا اور رسولپور میں یہ ہوا اڑ گئی کہ قرب وجوار کے مشرکین رسولپور کو لوٹ لیں گے۔ اس موقع سے طلبا گنج اور قرب وجوار کے مسلمان بھی وہاں گئے۔ میں بھی وہاں پہونچ گیا تو دیکھا کہ مولانا دشمنوں کے خلاف لڑنے پر ترغیب دے رہے ہیں آپکی تقریر سے تو صد ہا مسلمان دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔"

مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب اور امیر مقامی منشی محمد انور صاحب نے مولانا کی رقت القلبی، عبادات و نوافل کے اہتمام کے ذکر کے ساتھ ساتھ جماعتی زندگی میں آپ کی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: "آپ ایک فعال کارکن تھے۔ سائکل کے ذریعہ قرب وجوار کے مواضعات کا دورہ کرتے، لٹریچر، اخبارات اور پمفلٹ تقسیم کرتے۔ آپ نے جماعت کے تعارف کی خاطر مختلف تحریکی اخبارات و پرچوں کی ایجنسی لے رکھی تھی۔ کمزور اور غیر مستطیع افراد کو مفت پرچہ دیا کرتے تھے۔"

صدر جامعہ جناب مولانا طاہر مدنی نے اپنے والد محترم کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: "والد صاحب نے نصف صدی کا عرصہ وعظ وارشاد اور درس و تدریس کے فرائض انجام دینے میں گذارا۔ ۱۹۲۹ء میں مدرسہ سے فراغت کے بعد وہیں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔

۱۹۶۱ء میں رسولپور آئے اور پھر گاؤں کے مکتب مدرسہ انجاح سے منسلک ہو گئے اور پھر ۱۹۶۲ء میں مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی کے اصرار پر جامعۃ الفلاح آئے اور تاحیات یہاں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ والد مرحوم کی طبیعت میں بہت سادگی تھی اتنی سادگی کہ کبھی کبھی دونوں چپل بھی الگ الگ ہوتے۔ استری وغیرہ کا بھی اہتمام نہ کرتے کسی کو خدمت کا موقع نہ دیتے۔ خود اپنا سارا کام کرتے۔ کوئی تصنع و بناوٹ نہ تھی ورثی نہج پر ہماری بھی تربیت کرنے کی کوشش کی۔ جفاکشی بھی بہت زیادہ تھی مکتب میں جب میں زیر تعلیم تھا تو مجھے اور بڑے بھائی کو سائکل پر بٹھا کر رسولپور سے بلریا گنج لے آتے تھے۔ جذبہ انفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اور جس سال سے اپنا پورا مشاہرہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ نماز سے آپ کو کتنا شغف تھا اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ آخری ایام میں کوما کی حالت میں آپ ہوتے اور ذرا بھی افاقہ ہوتا تو وضو کروانے کا اشارہ کرتے۔ آپ اس امر کا اہتمام کرتے کہ تکبیر اولی فوت نہ ہونے پائے۔ سفر میں بھی جماعت کا اہتمام کرتے اور اگر لوگ نہیں رکتے تو آپ ناراض بھی ہو جاتے تھے۔ نفلی روزوں کا بہت اہتمام کرتے۔ ایام بیض کے روزوں کا لازماً اہتمام کرتے اور دیگر متعلقین کو بھی اسکی تلقین و یاددہانی کرتے۔

والد مرحوم فراغت کے بعد سے تاحیات تدریس سے وابستہ رہے آپکے درس کی خوبی یہ تھی کہ خشک مضامین (جیسے منطق وفلسفہ) کو بھی اتنے دلچسپ انداز سے پڑھاتے تھے کہ طلبہ کو اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی۔ ہمیشہ ہنسنے ہنسانے کی کوشش کرتے اور کبھی غصہ بھی آتا تو فوراً زائل ہو جاتا۔

تعلقات آپکے بہت وسیع تھے۔ تبلیغی جماعت، جمعیۃ اہل حدیث و دارالمصنفین وغیرہ سے گہرا تعلق تھا۔ رشتوں کو باقی رکھتے دور دور کی رشتہ داریوں میں بھی پہونچتے اور انکے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ آپ کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ کاغذات، اسانید اور اوراق کی کافی حفاظت کرتے چنانچہ جامعہ میں آپکے تقرری نامہ کا کاغذ و ۱۹۲۹ء کا نتیجہ کارڈ وغیرہ بھی موجود ہیں۔ ایک اہم خوبی یہ تھی کہ اللہ کی نعمتوں کی بڑی قدر کرتے تھے حتی کہ بچے اگر کچھ کھانا پلیٹ میں چھوڑ دیتے تو اسے کھا جاتے، دانہ کی قدر کرتے۔"

آخر میں صدر مجلس استاذ الاساتذہ مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی نے مرحوم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

"آج جس یار غم گسار کے غم میں ہم کھڑے ہیں ان سے میرا یارانہ اور میرا تعارف پچاس ساٹھ سال پر مشتمل ہے"۔ ۱۹۳۵ء کا اختتام تھا اسوقت ہم لوگ مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم تھے۔ مدرسہ کا چشمہ شیریں ہم سے قریب ہی رواں تھا جہاں قرب و جوار ہی نہیں بلکہ بیرون ہند کے طلبہ بھی اپنی تشنگی بجھانے کے لئے آتے تھے۔

ہمارے ساتھیوں میں ہندوستانی بھی تھے، رنگونی بھی تھے، انڈونیشیائی بھی۔ اس وقت آمد و رفت کی سہولتیں تھیں یہ قیدیں (پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ کی) نہ تھیں۔ یہی دور مدرسۃ الاصلاح کا سنہرا زمانہ تھا۔ اسوقت ہمارے علاقے کے مولانا ابو اللیث مرحوم، قمر الزماں، بھور کے امین احسن مرحوم، اختر احسن مرحوم اور شبلی متکلم مرحوم بحیثیت استاذ کے وہاں موجود تھے۔ عالمی جنگ کا زمانہ تھا، اشیاء نایاب تھیں، چیزیں گراں تھیں لیکن علم کا جو دریا وہاں بہہ رہا تھا وہ فراواں تھا۔

مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم جب مسند درس پر بیٹھتے تو علم کے وہ موتی بکھیرتے جس سے قلب و روح منور ہو جاتے۔ ان حالات میں، میں بھی وہاں پہونچا اور مولانا بھی وہاں پہونچے ان کا داخلہ مکتب چہارم میں ہوا میرا داخلہ مکتب سوم میں ہوا، ہم سب (مولانا اکمل صاحب، مولانا نظام الدین صاحب، اور مولانا مرحوم) درجہ بدرجہ ترقی کرتے رہے، ہم ایک ہی کمرے میں رہتے تھے اور پابندی سے مطالعہ کر کے ہی کلاس جاتے تھے اگر طلبہ بلا مطالعہ کے کسی دن درجہ چلے جاتے تو اساتذہ شدید اظہار نکیر کرتے۔ چنانچہ درجہ ہشتم عربی میں ایک دن ہم لوگوں نے مطالعہ نہ کیا تو مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم نے فرمایا آپ لوگ تشریف لے جائیں۔

مولانا مرحوم ہم سب میں نماز کے اہتمام میں ممتاز تھے۔ جب ہم اعلیٰ جماعتوں میں پہونچے تو تبلیغ وارشاد کے لئے مضافات کے گاؤں میں پنجشنبہ کی شام کو روانہ ہوتے اور جمعہ کو واپس آجاتے۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا جماعت میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء میں فارغ ہوتے ہی وہ وہیں استاذ بھی ہو گئے۔ ۱۹۶۰ء کے اختتام پر ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ حج بیت اللہ سے ہم مشرف ہو جائیں ۔ تیاریاں شروع ہو گئیں اور ابھی ہم روانہ بھی نہ ہوئے کہ وہاں سے [illegible] کا پروانہ آگیا۔ ہم نے پروا نہ کی اور حج کے لئے روانہ ہو گئے واپسی کے بعد مولانا نے گاؤں کے مکتب مدرسۃ النجاح کی نگرانی کا بیڑا اٹھایا اور مجھے مولانا حبیب اللہ صاحب ندوی نے رشاد میں بلالیا۔ رشاد سے پھر میں فلاح آگیا۔ اور

بقیہ: صفحہ پر